مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط

(جناب خلیق انجم صاحب اُستاد شعبۂ اردو کروڑی مل کالج ۔ دہلی)

(۲)

بنام میر پیر علی[1]

تم نے اپنے روزگار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، ٹھیک ہے۔ لیکن فقیر میں چلنے پھرنے کی طاقت اور سیر و سیاحت کا بالکل دماغ نہیں۔ میں اُن مریدوں کی تعلیم و تربیت کے لئے یہاں (سنبھل) آیا ہوں جو ہر طرف سے آکر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ دو ماہ بعد دہلی چلا جاؤں گا۔ کیونکہ سب عزیز و اقارب وہیں ہیں۔ اور ہر طرف سے فتنہ و فساد دہلی کا قصد کر رہا ہے۔[2] اس سب کے باوجود اس علاقے (سنبھل) کے دنیا دار فقیر سے شناسائی نہیں رکھتے تو عقیدت کا کیا سوال ہے۔ تمہیں یاد نہیں ہے کہ جس دن ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے یہ قصہ تمہیں سُنایا تھا کہ خانساماں و بخشی یعنی فتح خاں[3] اور سردار خاں[3] کو میں نے تمام عمر نہیں دیکھا۔

---

[1] کلمات طیبات میں مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے۔ لیکن معمولاتِ مظہریہ (ص/۱۱۳) میں بھی یہ خط نقل ہوا ہے۔ اور اس میں مکتوب الیہ کا یہی نام دیا گیا ہے۔

[2] امتیاز علی صاحب عرشی اس خط کی عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں "جس فتنے کا میرزا صاحب نے اپنے مکتوب میں حوالہ دیا ہے اس سے مرہٹوں کی دلّی پر چڑھائی مراد ہے۔ انھوں نے ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ء) میں بہت بڑے لشکر کی صورت میں دریائے چنبل عبور کر کے دلی کا رُخ کیا تھا۔ مگر نواب نجیب الدولہ بہادر نے فرخ آباد کی تسخیر کی طرف متوجہ کر دیا۔ آغاز ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) میں یہ مہم مرہٹوں نے شروع کر کے قلعہ شکوہ آباد روہیلوں سے لینے کے بعد صلح کر لی۔ اس سال غالباً رجب میں نواب نجیب الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا اور مرہٹے دلّی کی طرف بڑھے۔ اس سے یہ قیاس کرنا بیجا نہیں کہ ۱۱۸۵ھ میں میرزا صاحب سنبھل میں تھے۔ (دستور الفصاحت حواشی ص/۴۷)

[3] فتح خاں اور سردار خاں بڑے بہادر اور جری سپاہی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ روہیلوں کی طاقت کا بہت کچھ انحصار انہیں لوگوں پر تھا۔

دوندے خاں[1] مجھ سے ملنا چاہتا تھا میں نے منع کر دیا۔ حافظ رحمت خاں[2] مجھ سے ملنے آئے تھے مجھے ان کی صحبت پسند نہیں آئی۔ اور علی محمد خاں[3] کے لڑکوں کو میں نہیں جانتا۔ تو پھر کیسا تعلق اور کیسی سفارش۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس شہر میں بے گانہ ہو، بے روزگار اور اہل و عیال کے ساتھ ہو۔ حقوق آشنائی سے قطع نظر (تم) ایسے لوگوں کے لئے کوشش کرنا عبادت ہے لیکن حقیقت یہی ہے جو میں نے لکھی ہے اور سنبھل کے لوگ۔ تو (خود ہی) مجبور و لاچار ہیں۔ ورنہ یہ گھر تو تمہارا ہی گھر تھا۔ والسّلام۔

---

[1] دوندے خاں کا شمار بھی روہیلہ سرداروں میں تھا۔ نواب نجیب الدولہ بہادر کی بیوی انہیں کی لڑکی تھیں جن کا انتقال ستمبر ۱۷۶۵ء میں ہوا۔ مغل حکومت کا زوال (جلد دوم ص/۲۹۲) دوندے خاں کا انتقال ۳ محرم ۱۱۸۵ھ (۱۸ اپریل ۱۷۷۱ء) کو ہوا

[2] حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی ولادت افغانستان کے قصبہ روہ میں ۱۷۰۸ء میں ہوئی۔ ان کے والد شاہ عالم ایک برگزیدہ بزرگ تھے۔ شاہ عالم کے ایک غلام داؤد نے ہندوستان آکر روہیلکھنڈ کے علاقے میں روہیلوں کو جمع کر کے ایک جمعیت کر لی تھی۔ اُس کے انتقال کے بعد اس جمعیت کی سرداری اُس کے متبنے لڑکے نواب علی محمد خاں کو ملی روہیلے نواب کی اطاعت سے گریز کرتے تھے۔ کیونکہ وہ داؤد کے متبنے تھے اس لئے انھوں نے روہ سے بہ اصرار شاہ عالم کے صاحبزادے حافظ رحمت خاں کو ہندوستان بلایا۔ نواب علی محمد خاں کا ۱۱۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ اور اُن کے انتقال کے بعد حافظ الملک روہیلوں کے سردار مقرر ہوئے۔ ۲۳ اپریل ۱۷۷۴ء کو نواب شجاع الدولہ سے ایک جنگ میں زخمی ہو کر ان کا انتقال ہو گیا۔ روہیلوں کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو: حیات حافظ رحمت خاں:۔ سید الطاف علی۔ تاریخ روہیلکھنڈ: نواب نیاز احمد خاں ہوش / تاریخ فرخ آباد:۔ اروِن، اخبار الصنادید جلد اوّل۔ نجم الغنی۔ ہسٹنگز اینڈ دی روہیلہ وار۔ تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ۔

[3] نواب علی محمد خاں کے چھ صاحبزادے تھے۔ عبداللہ خاں، سعداللہ خاں، فیض اللہ خاں، مرتضیٰ علی خاں، محمد یار خاں اور الہ یار خاں۔ ۱۷۴۸ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی سے شاہزادہ احمد شاہ کی قیادت میں شاہی فوج مقابلہ کے لئے لاہور تک گئی۔ تو نواب علی محمد خاں کے دو لڑکے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں بھی اس جنگ میں شریک تھے۔ ابدالی کو شکست ہوئی لیکن وہ واپس جاتے ہوئے ان دونوں لڑکوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ۱۷۵۲ء میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی درخواست پر ان دونوں کو رہا کر دیا۔ نواب علی محمد خاں کی اولاد میں ایسا تفرقہ پڑا کہ حافظ الملک کو روہیلکھنڈ کا پورا علاقہ تقسیم کرنا پڑا۔ جو بالآخر اس عظیم طاقت کی بربادی کا سبب بنی۔

بنام نواب انتظام الدولہ خانخاناں[1]

خدا زمانے کو آپ کے لئے سازگار رکھے، یہ خاکسار تنہائی اور گمنامی کو پسند کرتا ہے، اہلِ ثروت سے نہیں ملتا۔ اس لئے اتنے قدیم تعلقات کے باوجود (میں نے) ملاقات کا اشتیاق ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی آج کے علاوہ (کبھی) کسی کام کے لئے تکلیف دی۔ فقیر کے ہمشیر زادے ہیں۔ اگرچہ (وہ) کوئی کمال نہیں رکھتے لیکن آدمیت سے خالی نہیں ہیں، باقتضائے زمانہ سے پریشان ہیں، خصوصاً ان میں سے ایک تو بہت ہی پریشان ہے (بحالت اضطرار گزارش است) ان کے حالات کی تفصیل (نواب) ارشاد خاں بہادر کے ذریعہ آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ جن برخوردار کو جاگیر سرکار کی بہت تمنا ہے۔ انھیں کل آپ کی خدمت میں بھیجوں گا۔ اگر تقدیر نے اس تدبیر سے موافقت کی تو یقین ہے کہ آپ بلا توقف مناسب دستخط

---

[1] کلماتِ طیبات میں مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے۔ لیکن معمولاتِ مظہریہ میں یہ خط نواب خانخاناں کے نام ہے۔ معمولات مظہریہ ص/۱۱۶۔ انتظام الدولہ، محمد شاہ کے وزیر قمرالدین کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد پندرہ مہینے (مارچ ۱۷۵۳ء سے مئی ۱۷۵۴ء) تک احمد شاہ کا وزیر رہا۔ لیکن اپنی نااہلیت، بزدلی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے کوئی کار نمایاں نہ کر سکا۔ صفدر جنگ اور انتظام الدولہ کی آپس کی جنگ نے بادشاہ امرا، اور اہل دہلی کی زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ احمد شاہ ابدالی جب جنوری ۱۷۵۶ء میں دہلی آیا، تو اس وقت عماد الملک دہلی کا وزیر تھا۔ انتظام الدولہ نے ابدالی سے وعدہ کیا کہ اگر اسے وزیر بنا دیا گیا تو وہ دو کروڑ روپے کی پیشکش کرے گا۔ ابدالی نے جب روپیہ طلب کیا تو اس نے اپنی لاچاری اور مجبوری کا اظہار کیا۔ ابدالی نے سرِ دربار اسے ذلیل کیا، اس نے بتایا کہ گھر میں مدفون خزانے کا علم اسے نہیں بیگم شولاپوری (یہ انتظام الدولہ کی ماں اور قمرالدین کی بیوی تھی) کو ہے۔ ابدالی نے اس خاتون کو بھی سرِ دربار بلوا کر معلومات لیں۔ عبدالکریم علوی لکھتے ہیں۔ " علی الخصوص خانہائے قمرالدین وزیر خسرخود (ابدالی میر منو گورنر لاہور ی بیوی مغلانی بیگم کو بیٹی کہتا تھا۔ دہلی کے امرا و رؤسا سے دولت حاصل کرنے کے کام پر اس کو متعین کیا تھا س کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو، مغلانی بیگم لاہور کی گورنر۔ ہری رام گپتا۔ اسلامک کلچر جنوری ۱۹۴۵ء) ما بالکل قسم نقود و جواہر وغیرہ در سرکار شاہی ضبط کنانید۔ و شولاپوری بیگم زوجہ قمرالدین مرحوم را کہ خوشدامن او بود قید کردہ و بہ تکلف و بہ جبر تمام زر و جواہر را گرفتہ بہ خزانہ شاہی رسانید" تاریخ احمد ص/۹) جب [illegible] میں عماد الملک نے مرہٹوں کے ساتھ دہلی پر قبضہ کیا تو ہشتم ربیع الآخر پنج شنبہ ۱۱۷۲ء کے پہلے انتظام الدولہ اور پھر عالمگیر ثانی کو قتل کر دیا۔ انتظام الدولہ کے نام مرزا صاحب کے خطوط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا اور مرزا صاحب کا شاگرد اور معتقد تھا۔

(درخواست پر سفارش لکھ دیں گے) کر دیں گے۔ ورنہ میری طرف سے نہ کوئی سماجت ہے اور نہ شکایت۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور حکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے) یہ ضرور ہے کہ اس نوجوان کی رفاقت کو جو (بالواسطہ) درویشوں کی امداد و اعانت ہے بازوئے فتح و نصرت کا تعویذ سمجھیں گے۔ والسّلام[1]

بنام نواب انتظام الدولہ خانخاناں

اس دنیا کے امیروں کو اُس جہاں کے بادشاہوں یعنی فقیروں کے سامنے باادب رہنا چاہیئے خصوصاً جب اُن سے امداد و اعانت چاہیں۔ تاکہ فقیروں کا دل ان کی طرف ملتفت ہو۔ ایسے اوقات میں بے پروائی کرنا اور مقاصد کی تحریر کو بے ادبی سے پیش کرنا نقصان دہ ہے۔ اگر حسنِ ظن درمیان ہے تو ادب واجب ہے، اور اگر نہیں ہے تو پھر اُن کی خدمت میں حاضر ہونا اور تیہ تلا کرنا کیا ضروری ہے۔ انہیں باتوں کے اندیشہ سے میں نے ملاقات اور خط و کتابت ترک کر رکھی ہے۔ ؎

ز خلق گندہ دماغی چگونہ بر دارم
بایں دماغ کہ از بوئے گل زکام کند

اور معلوم رہے کہ فقیر کو بشارت دینے یا استخارہ کرنے سے کوئی مناسبت نہیں۔ لیکن فال نکالنا امر مسنون ہے۔ اگرچہ قرآن شریف سے فال نکالنا حدیث میں نہیں آیا ہے لیکن ممنوع نہیں اگر کوئی نکالے

---

[1] مرزا جان کی شاید صرف دو اولادیں تھیں۔ مرزا مظہر اور ان کی ہمشیرہ۔ جب مرزا جان نے ترکِ دنیا کیا تو اپنی لڑکی کی شادی کے لئے پچیس ہزار روپیہ بچا کر رکھ لیا۔ لیکن ایک دوست کی ضرورت دیکھ کر یہ روپیہ بھی دیدیا۔ مرزا صاحب کو اپنی ہمشیرہ سے بہت محبت تھی۔ بچپن میں انھوں نے اپنی ہمشیرہ سے یہ عہد کیا تھا کہ دونوں میں پہلے کوئی بھی وفات پائے دوسرا بھی خودکشی کرلے گا۔ اتفاق سے ہمشیرہ کی وفات پہلے ہوئی۔ وفات کے وقت ہمشیرہ نے بچپن کا وعدہ یاد دلایا۔ مرزا صاحب نے کہا میں اپنا وعدہ پورا کرنے کیلئے تیار ہوں۔ ابھی ایک کٹار میں کام تمام ہو جائے گا۔ لیکن اس طرح میں تمہارا ہم سفر نہیں ہو سکتا۔ تم شہیدوں کے قافلے میں جنت کی طرف جاؤ گی اور میں حرام موت مرنے کی وجہ سے دوسرے راستے۔

تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ آپ کے اشعار آبدار نظر سے گذرے، درست اور بامزہ ہیں، فارسی ہندی سے بہتر ہیں، کہیں اصلاح کی گنجائش نہیں پائی۔ محمد باقر جو آپ کے قدیم اور مخلص ملازم ہیں، بعض عذرہائے مسموع کی وجہ سے دور اور مہجور رہیں۔ لیکن اس تقصیر اضطراری کی وجہ سے ہمیشہ فقیروں کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ کے دوام عمر و دولت کے لئے دعا اور توجہ کی درخواست کرتے ہیں۔

مکتوب چہل و چہارم

خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ظفر علی خاں سلمہ ربہ۔ نواب اعتضاد الدولہ ارشاد خاں[۵۱] بہادر کے صاحبزادے اور نواب امین الدولہ[۵۲] کے پوتے ہیں (اور) حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری[۵۳] رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد

---

۵۱ مرزا صاحب کے تعلقات نواب اعتضاد الدولہ ارشاد خاں بہادر سے تھے۔ کلمات طیبات میں نواب صاحب کے نام کچھ خطوط بھی ہیں اور اکثر خطوط میں ان کا ذکر بھی آیا ہے۔ انھیں کی وجہ سے مرزا صاحب سنبھل جاتے تھے۔ ایک دفعہ جب انھوں نے دہلی سے سکونت ترک کرنے کا ارادہ کیا تو نواب ارشاد خاں کے اصرار پر سنبھل ہی میں مستقل سکونت اختیار کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔ لیکن عزیزو اقارب کی مرضی نہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب ترکِ وطن نہ کر سکے۔ نواب خانخاناں کے نام مرزا صاحب کے خط سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ارشاد خاں بہادر اُن کے ملازم تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے ایک خط میں نواب ارشاد خاں صاحب کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے" نواب ارشاد مغفور یہاں سے اواخر صفر میں روانہ ہوئے تھے (انھوں نے) مراد آباد کی حدود میں بادشاہ کو پالیا اور لشکر کے ہمراہ دہلی کا قصد کیا ۱۳ ربیع آخر شہر میں داخل ہوئے۔ دو گھڑی بعد (انھیں) ٹھنڈ لگ گئی۔ سرد ہو گئے اور جان خدا کو سونپ دی۔ قدیم حویلی میں انھیں دفن کر دیا۔ دل پر ایسا داغ چھوڑا ہے کہ اس کا مرہم نہیں ہے۔

۵۲ نواب امین الدولہ سنبھل کے شیخ زادوں میں سے تھے۔ جہاندار شاہ کے عہد میں فوج کے ایک معمولی عہدے پر ملازم ہوئے اور ترقی کر کے فرخ سیر کے عہد میں فوج کے اہم عہدے پر فائز ہو گئے۔ چونکہ بہت ذہین طباع اور محنتی انسان تھے، اس لئے محمد شاہ کے عہد میں بیرتوزک مقرر ہوئے رفتہ رفتہ چار ہزاری اور پھر چھ ہزاری منصب پایا۔ اُن کا اصل نام امین الدین تھا۔ محمد شاہ نے امین الدولہ کا خطاب اور سنبھل کا علاقہ بعوض تین لاکھ بتول دیا تھا۔ ۱۱۵۲ھ میں انتقال ہوا (مآثر الامراء جلد اول ص ۳۵۷، ۳۵۸)

۵۳ مولانا عبداللہ انصاری سلطان پوری چشتیہ سلسلے کے بزرگ تھے۔ اُن کا عہد شیر شاہ سے اکبر کے دورِ حکومت تک ہے۔ مخدوم الملک اُن کا خطاب تھا۔ بہت ہی متشرع اور عارف بزرگ تھے۔ جب اکبر" دین الٰہی" کی تبلیغ شروع کی تو اُنھوں نے سختی سے مخالفت کی۔ تنگ آکر اکبر نے انھیں ہندوستان چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ وہ ایک مسجد میں (باقی صفحہ آئندہ پر)

میں سے ہیں۔ ان کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اس فقیر نے کی ہے۔ اور اُن کے نسخۂ سراپا کو صورۃً اور معنیً ٹھیک کیا ہے۔ بسولی میں دوندے خاں کی لڑکی کی شادی میں حافظ رحمت خاں صاحب نے ان کو اپنے ساتھ رکھنے اور روزگار دینے کا وعدہ کیا تھا (اس لئے) انھوں نے (ظفر علی خاں) پیلی بھیت کا قصد کیا ہے[1] اور میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ اُس قدیم دوستی اور التفات جو آپ مجھ پر کرتے ہیں، کے حق سے جو شفقت آپ کر سکتے ہوں اس جگر گوشہ پر کیجئے جو مجھ کو جان سے زیادہ عزیز ہے اور اگر اُن کے حق میں کوئی کلمۂ خیر کہنے کی ضرورت ہو تو اپنی خودداری کو پیش نظر نہ رکھئے اور اس طرح سے فرمایئے کہ سننے والا متاثر ہو جائے۔ ورنہ کچھ نہ کہئے۔ کیونکہ سرسری سفارش سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا (پھر) صرف اُن کی عنایت کافی ہے۔ پیلی بھیت آنے کا تو میں نے کبھی خیال بھی نہیں کیا۔ لیکن اب ان نورچشم کی وجہ سے (وہاں آنے کا) اس کا احتمال زیادہ ہے۔ والسّلام۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ــــ جا بیٹھے۔ اکبر نے کہا یہ مسجد بھی میرے ملک میں ہے اسے بھی چھوڑ دو۔ مولانا ہندوستان چھوڑ کر حجاز چلے گئے، لیکن کچھ دن بعد پھر واپس آ گئے۔ جب اکبر ان سے بہت تنگ آ گیا تو مجبور ہو کر انھیں زہر دے دیا۔ سنہ ۹۹۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۴۴۷ - ۴۴۸

[1] مرزا صاحب نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ دوندے خاں اُن سے ملنا چاہتے تھے۔ مگر انھوں نے ملاقات سے انکار کر دیا اور حافظ رحمت خاں ملاقات کو آئے تھے۔ مگر اُن کی ملاقات "نادرست" رہی۔ اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعد میں مرزا صاحب کے ان سب روہیلہ سرداروں سے تعلقات اچھے ہو گئے تھے۔ یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن عین ممکن ہے کہ مرزا صاحب دوندے خاں کی لڑکی کی شادی میں شریک ہوئے ہوں وہاں حافظ رحمت خاں سے ملاقات ہوئی ہو اور حافظ صاحب نے ان ہی سے وعدہ کیا ہو کہ وہ ظفر علی خاں کو اپنے ساتھ رکھ لیں گے۔ اگرچہ مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں نہیں لکھا کہ وہ عدہ کس سے کیا تھا لیکن اغلب یہی ہے کہ خود مرزا صاحب سے کیا تھا اور نہ وہ اُس شخص کا بھی نام لکھتے۔

ماہنامہ جامعہ جاری ہوگیا

اُردو کا بہترین علمی و ادبی ماہنامہ جامعہ اپنی سابقہ خصوصیات کے ساتھ نومبر ۱۹۶۳ء سے دوبارہ ہو گیا ہے۔ سالانہ چندہ چھ روپے۔ نمونہ کا پرچہ، پچاس نئے پیسے

ملنے کا پتہ:۔ ماہنامہ جامعہ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی